وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا (الاحزاب)

اور اللہ کا حکم ایک قطعی اور طے شدہ فیصلہ ہوتا ہے



آفاقی حدود میں قید و بند کا عدم جواز

محمود خالد مسلم

وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا (الاحزاب)

اور اللہ کا حکم ایک قطعی اور طے شدہ فیصلہ ہوتا ہے

آفاقی حدود میں قید و بند کا عدم جواز

محمود خالد مسلم

المسلمین

کتاب: آفاقی حدود میں قید و بند کا عدم جواز

مصنف: محمود خالد مسلم

تعداد: 2000

طبع اول: ستمبر 2000

مقام اشاعت: 36ڈی لوئر مال لاہور

فون 7359171 - 7310490

اہتمام طباعت: دارالسلام پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز' فون 7232400

مطبع: احمد پرنٹنگ پریس 50لوئر مال

(نزد ایم اے او کالج) لاہور فون 7240024

* * * *

فہرست

پیش لفظ

محترم محمود خالد مسلم صاحب ایک متحرک، فعال اور درد مند مسلمان ہیں جو امت مسلمہ کی اصلاح احوال کیلئے مختلف اور متنوع پروگرام تشکیل دیتے رہتے ہیں۔ ایک مدت سے اتحاد بین المسلمین کیلئے "المسلمین" کے نام سے انہوں نے ایک جہد مسلسل کا آغاز کر رکھا ہے جس کی ذیلی تحریک "تحریک نفاذ شریعت محمدیہ" اسلامی ریاستوں میں اللہ کے نظام کے نفاذ کیلئے سرگرم عمل ہے۔ اس سلسلے میں وہ مسلسل تبلیغ و دعوت اور قلم و قرطاس کا جہاد جاری رکھے ہوئے ہیں۔ حق تعالیٰ انہیں اس مشن میں کامیاب کرے اور عامتہ المسلمین کو ان کی جدوجہد میں شریک ہونے کی سعادت بخشے "آمین"۔

محترم محمود خالد مسلم کی تازہ دعوتی کوشش "آفاقی حدود میں قید و بند کا عدم جواز" کے عنوان سے ان کی یہ تحریر بہت فکر انگیز ہے۔ شریعت سزا کیلئے جو مختلف اصطلاحات استعمال کرتی ہے ان میں ایک قرآنی اصطلاح "نکال" بھی ہے جس کے معنی عبرت کے ہوتے ہیں۔ اسلامی سزاؤں میں عبرت پذیری کا یہ وہ مثبت پہلو ہے جسے فاضل مصنف نے اجاگر کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

سارے عالم اسلام میں ایک قلیل استثنیٰ کے علاوہ مغربی ممالک کے سیکولر قوانین رائج ہیں۔ مملکت خداداد اسلامیہ سے پاکستان میں بھی یہی صورت حال ہے کہ جزوی طور پر کچھ شرعی سزاؤں کی بات کی گئی ہے مگر ان پر بھی عملدرامد میں واضح اخلاص جھلکتا دکھائی نہیں دیتا۔ ہمارے جیل خانے قیدیوں کی اصل گنجائش سے دس گنا زیادہ بھرے ہوئے ہیں۔ عدالتوں کا موجودہ نظام مقدمات کی رفتار کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہے۔ عدالتی طریق کار میں تاخیری حربوں نے انصاف کی روح کو مجروح کر رکھا ہے۔ یہ نظام مجرموں کیلئے عبرت کی بجائے ایک ترغیب اور تشویق کا پہلو پیدا کرتا ہے۔

دستور پاکستان کا ناگزیر تقاضہ ہے کہ ہمارے عدالتی نظام کی اسلامائزیشن کی جائے اور شرعی قوانین یعنی حدود و تعزیرات کو پوری قوت کے ساتھ نافذ کیا جائے تاکہ معاشرہ مجرموں سے پاک ہو سکے اور مجرموں کے جلد فیصلے کر کے ان کی سزاؤں سے عبرت پذیری کا ماحول پیدا کیا جا سکے۔

جرائم کے مسلسل اضافے کے باوجود ہمارے ذمہ داران دستور پاکستان کے اسلامی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے حدود و تعزیرات کے نظام کو مکمل طور پر نافذ کرنے میں تذبذب کا شکار ہیں۔ جناب خالد مسلم کی یہ عملی کاوش ہم سب کو عملی اقدامات کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ میں اس کوشش پر انہیں تبریک پیش کرتا ہوں اور اس کے عنداللہ ماجور ہونے کی دعا کرتا ہوں۔

پروفیسر عبدالجبار شاکر

بیت الحکمت

لاہور

آفاقی حدود و تعزیرات میں قید و بند کا عدم جواز

پاکستان اس وقت جن بڑے بڑے مسائل سے دوچار ہے ان پر ہر پاکستانی پریشان اور خوف و ہراس کا شکار ہے۔ آئے روز ڈکیتیوں، شاہراہوں پر لوٹ مار' قتل و غارت اور بم دھماکوں کی بھرمار ہے۔ حتیٰ کہ اندرون خانہ بھی کوئی شہری محفوظ نہیں رہا۔اس کے علاوہ بے روزگاری بیرونی قرضوں کا بوجھ 'معاشی بدحالی' غذائی اجناس کی قلت اور امن و امان کی بگڑتی ہوئی صورت حال سے پوری قوم پریشان ہے۔اخبارات قتل و غارت گری 'عصمت دری' لوٹ مار' کرپشن اور ظلم و ناانصافی کی خبروں سے بھرے ہیں اور یہ سب سنگین وارداتیں بلاخوف و خطر برسرعام ہو رہی ہیں۔ فرقہ واریت کی آڑ میں دہشت گردی کے واقعات آئے روز دکھائی دیتے ہیں۔امن و امان کی حالت ناقابل برداشت حد تک بگڑ چکی ہے۔ قتل و غارت 'چوریاں 'ڈکیتیاں' تخریب کاریاں اور معاشی جرائم 'اجتماعی آبروریزی' چور بازاری' سٹہ اور جوا' سمگلنگ اور ان سب کو تحفظ دیتی ہوئی بدعنوانی اور رشوت' یہ سب کچھ اگرچہ اپنی انتہاؤں کو چھو رہا ہے مگر زندگی کا معمول دکھائی دیتا ہے۔ بدامنی تو اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ لوگ اپنے گھروں میں لٹ رہے ہیں پورے کے پورے خاندان ذبح کر دیئے جاتے ہیں۔ حرمت انسان کا تقدس بری طرح مجروح ہو رہا ہے اور انسانی جان اس قدر ارزاں ہو گئی ہے کہ معمولی تکرار سے شروع ہونے والی بات دیکھتے ہی دیکھتے قتل و غارت تک جا پہنچتی ہے۔دوسری طرف بسیں اور ٹرینیں ڈاکوؤں کے لئے آسان شکار اور پسندیدہ نشانہ بن چکی ہیں۔ پیش پاافتادہ ہونے کے باوجود یہ چور ڈاکو اور قاتل دندناتے پھرتے ہیں۔ادھر معاشرے میں ہر طرف چیخ و پکار اور واویلا ہے اور یہاں تک حالت پہنچ چکی ہے کہ کاروبار' ملازمت حتیٰ کہ بچوں کو سکول لاتے، لے جاتے وقت بھی دل میں یہ خوف سر ابھارتا ہے کہ بخیریت تمام گھر واپسی کی ضمانت کیا ہے؟

کیا ان جرائم کو روکنے والا کوئی نہیں؟ پولیس اور دوسرے ادارے کیوں ناکام ہو گئے ہیں؟ ان جرائم اور لاقانونیت کے پس پردہ وہ کون سے عوامل اور اسباب ہیں جن کے باعث ان پر قابو پانا مشکل ہو رہا ہے؟

ان عوامل میں جہاں معاشرتی و معاشی اسباب ہیں وہاں جزاوسزا کے تصور کا بھی فقدان ہے اور سب سے بڑا سبب ایک اسلامی ملک پاکستان میں اللہ کی مقرر کردہ سزاؤں سے روگردانی اور ملکی قانون کی گرفت کا کمزور ہونا ہے۔اس کا خمیازہ آج ساری قوم کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔ جب مجرموں کو پتہ ہو کہ ہمیں کوئی

سزا نہیں ہوگی تو لا محالہ ان کے حوصلے بڑھنے سے جرائم میں روز بروز اضافہ ہی ہوگا۔شرعی سزاؤں کا مکمل نفاذ ہی ہماری اس بگڑتی ہوئی صورت حال کو بہتر بنا سکتا ہے۔اس کے لئے ہمیں رہنمائی قرآن وحدیث سے مل سکتی ہے جسے حضور پاک ﷺ اور خلفائے راشدین ؓ نے اپنے ادوار میں نافذ فرما کر پر سکون وخوشحال معاشرے کا نمونہ پیش کیا۔وہی قرآنی آیات اور احادیث نبوی ﷺ آج بھی ہمارے لئے مشعل راہ ہیں اور ہمارے معاشرے کو جرائم سے پاک کرنے کا واحد ذریعہ بھی ہیں۔اسلام چونکہ دین فطرت اور خالص حق ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس کی ہر بات عدل کی ترازو میں تل کر نکلے ،اصول سے لے کر فروع تک ہر چیز میں نکھار ہو اور کوئی حصہ مذہب ایسا نہ ہو جسے انسانی دماغ کا کرشمہ کہا جا سکے۔

اللہ تعالی نے جب کائنات کو تخلیق کیا تو انسان کے اندر جو سرشت جبلت اور فطرت رکھی اسی کے مطابق زندگی گزارنے کے قواعد وضوابط بھی اسے عطا کئے۔جب تک ان قوانین پر عمل درآمد ہوتا رہا' معاشرے میں امن وسکون کا دور دورہ رہا۔یہ وہی قوانین ہیں جو تورات اور انجیل میں بھی تھے اور قرآن میں بھی عطا کئے گئے۔یہ آفاقی قوانین' یہ شرعی سزائیں ازل سے بنی نوع انسان پر نافذ کی گئی ہیں اور تاریخ شاہد ہے کہ یہ انسانیت کے لئے باعث اطمینان اور جان ومال کے تحفظ کی ضامن رہی ہیں۔ آج بھی جن اسلامی ممالک میں یہ سزائیں مروج ہیں' یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ وہاں امن وامان کی صورت حال باقی دنیا سے بہتر ہے۔حال ہی میں افغانستان میں شرعی سزاؤں کے سر عام نفاذ کی برکت سے ایسا امن وامان کا ماحول قائم ہو گیا ہے جو صدیوں سے اس خطے کو نصیب نہ ہوا تھا۔

اسلامی قانون تعزیرات کی روح یہ ہے کہ تمام انسانوں کو جانی اور مالی مضرت اور نقصان سے بچایا جائے اور اگر اس سلسلے میں چند افراد کڑی سے کڑی سزا بھی جھیل لیں تو بھی مضائقہ نہیں۔یہی وجہ ہے کہ قرون اولی میں جرائم کی رفتار تقریباً معدوم ہے،اور چند ایسی مثالیں جو ملتی ہیں کہ جن کو اخلاقی لحاظ سے مذموم کہا جا سکتا ہے تو وہاں بھی ندامت واعتراف کا شاندار مظاہرہ ہے کہ مجرم خود عدالت میں آگیا ہے تاکہ اسے اللہ کی مقرر کردہ موزوں ومناسب سزا دی جائے اور وہ اس گناہ عظیم سے پاک ہو جائے۔

انسانیت کے آغاز میں ہی جب ابن آدم حسد وبغض کے جذبات سے متاثر ہو کر اپنے سگے بھائی کو موت کے گھاٹ اتار سکتا ہے تو عام انسانوں کیلئے اس نوع کے اقدام میں کوئی باک نہ ہو گا لہذا ضروری ہے کہ انہیں اس کی اہمیت جتادی جائے ارشاد ہے کہ انسان کا خون نہایت گراں اور بیش بہا ہے ،ایک فرد کو قتل کرنا پوری قوم وامت کے قتل کے مترادف ہے اور اسی طرح کسی ایک شخص کی زندگی بچانا پوری قوم کو بچانا ہے۔انفرادی قتل کی مذمت کے بعد اب یہ بتایا گیا ہے کہ جذبہ عصیان اگر فساد فی الارض کی صورت اختیار کرے اور لوگ دین قدیم کی مخالفت کے جوش میں امن وعافیت کے طریقے چھوڑ دیں

اور فتنہ وہلاکت کی آگ لگادیں تو ضروری ہے کہ امام یا ہیئت حاکمہ یعنی حاکم وقت وعدلیہ انہیں سخت سے سخت سزا دے' چاہے قتل کردے' چاہے سولی پر چڑھادے' چاہے ہاتھ پاؤں آڑے ترچھے کاٹ دے اور چاہے ملک بدر کردے' اسے اختیار ہے کہ حالات کے تحت انہیں سزا دے۔

یہ درست ہے کہ اسلامی سزائیں سخت ہیں مگر کیا یہ سختی برکات وسعادت کا موجب نہیں؟ بات یہ ہے کہ اگر ایک شخص ہاتھ کٹوا کر ناکارہ ہو جاتا ہے تو سینکڑوں انسان اس کی وجہ سے عبرت حاصل کرتے ہیں اور لاکھوں انسانوں کے مال ومتاع محفوظ رہتے ہیں۔ اس لئے یہ کہنا سراسر ناانصافی ہے کہ اسلامی سزائیں ازمنہ وحشیہ کی یادگار ہیں کیونکہ وحشت تو وہ ہے جس کی وجہ سے دنیا میں مظالم کی کثرت ہو، نہ کہ وہ نظام جو جرائم کو بیخ وبن سے اکھاڑ دے۔ آج یورپ کو اپنی انسانیت پر ناز ہے مگر کیا یہ حقیقت نہیں کہ وہاں باقی دنیا سے زیادہ جرائم کا ارتکاب کیا جاتا ہے؟ یہ ٹھیک ہے کہ انسانی عزت وحرمت کا تقاضا یہ ہے کہ زیادہ ہولناک سزا نہ دی جائے مگر کیا سوسائٹی کی عزت وحرمت اس سے بیش قیمت نہیں؟

سخت سزا ہی دینا کافی نہیں، ضرورت ہے کہ معاشرے کی اصلاح کے ساتھ ساتھ تربیت بھی ہو کیونکہ تزکیہ وتطہیر کو چھوڑ کر صرف تقریرا اکثر مضر پڑتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں اخلاق کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے اور تعزیرات کو مذہب کے ماتحت رکھا ہے تاکہ لوگوں میں روحانیت کی وجہ سے اعلیٰ درجے کی عادات پیدا ہوں اور وہ گناہوں سے ازخود نفرت کرنے لگیں۔ بات یہ ہے کہ اسلام چونکہ ایک کامل اور ہمہ گیر دستور العمل کا نام ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس میں اخلاق وروحانیت کے پہلو بہ پہلو سیاست ملکی اور تعزیرات کو بھی بالتفصیل بیان کیا جائے اور چونکہ اس کا انتساب اس ذات گرامی سے ہے جو پاتال سے لے کر طوبیٰ تک حکمران ہے اس لئے لازماً اس میں ہمہ گیری کا رنگ نمایاں نظر آنا چاہیے اور یہی وہ چیز ہے جو اسے دوسرے مذاہب سے ممتاز قرار دیتی ہے۔ چونکہ اس خدائے اسلام کی قدرتیں اور اختیارات لامحدود اور وسیع ہیں اس لئے وہ دین بھی جو سچا اور حقیقی دین ہے، اسی تناسب سے ہمہ گیر اور وسیع ہونا چاہیے اور یقیناً ایسا ہی ہے۔

آیئے اب ان تعزیرات شریعہ میں پوشیدہ حکمت اور ان کے نفاذ کے مابعد ثمرات وفوائد پر ایک نظر ڈالیں۔ سب سے پہلے یہ سمجھنا لازم ہے کہ ان کی شرعی اہمیت کیا ہے اور ان کے نفاذ کے لئے کس قدر تاکید کی گئی ہے۔

سورۃ المائدہ آیت نمبر 47-44 میں فرمایا گیا "جو کوئی اللہ کے ان احکام کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے اتارے ہیں تو وہی لوگ کافر، فاسق اور ظالم ہیں"

سورۃ احزاب آیت نمبر 36 میں فرمایا گیا "جب اللہ اور رسول ﷺ کا حکم آجائے تو کسی

مومن اور مومنہ کو اختیار نہیں کہ اس سے انکار کرے"

اسی طرح سورۃ جاثیہ میں فرمایا گیا کہ "ہم نے تمہیں ایک شریعت پر قائم کر دیا ہے پس تم اسی کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے مت چلو جن کو علم ہی نہیں ہے"

ان آیات مبارکہ کے علاوہ قرآن میں اور بھی کئی مقامات پر اللہ کے احکام کو معاشرے میں نافذ کرنے کی تاکید موجود ہے۔ اسی طرح متعدد احادیث نبوی بھی موجود ہیں جن میں معاشروں میں جرائم کی بیخ کنی کی طرف اسی حوالے سے امت کو متوجہ کیا گیا۔ بخاری شریف کی "کتاب الحدود" میں آپ ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ زنا کرنے والا جب زنا کرتا ہے تو اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا اور چور جس وقت چوری کرتا ہے اور لٹیرا جس وقت ایسی لوٹ مار کرتا ہے جس کو لوگ آنکھ اٹھا کر دیکھیں اور اسے روک نہ سکیں تو وہ مومن نہیں ہوتا اور شرابی جس وقت شراب پیتا ہے وہ مومن نہیں ہوتا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ معاشرے میں امن و سکون اور خوشحالی و تحفظ کیلئے نفاذ شریعت کو کس قدر اہمیت حاصل ہے۔

تحریک شریعت محمدیہ ﷺ کی اغراض و مقاصد میں یہ امر سر فہرست ہے کہ دلوں کو قرآن مجید کی جو ایک مکمل شریعت ہے، روشنی سے منور کیا جائے چنانچہ تحریک نے اس شریعت کے تعارف سے نفاذ تک کے مراحل طے کرنے کیلئے ایک فکری اور قلمی جہاد کا آغاز کیا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ دلوں سے نفرتوں، کدورتوں اور معاشرتی برائیوں کے اثرات کو زائل کر کے خلوص و محبت اور اخوت و یگانگت کے احساسات کو فروغ دیا جائے تاکہ اعمال صالحہ ظہور پذیر ہونے لگیں اور مجرمانہ ذہنیت کے بدلنے سے جرائم کا سدباب ہو جائے۔

آیئے اب ان سزاؤں کی حکمت و ثمرات پر باری باری ایک نظر ڈالیں جن کے نفاذ کی اتنی تاکید کی گئی ہے۔

قصاص میں زندگی ہے

اسلام سے پہلے قصاص وانتقام کا مفہوم صاف نہ تھا۔ یہودی، اگر قاتل امیر ہوتا تو اسے چھوڑ دیتے اور غریب ہوتا تو کچھ روپیہ لے کر معاف کر دیتے اور اگر غلام ہوتا تو ان کی شریعت نوازی جوش میں آجاتی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ تعزیرات کا باب محض غرباء کیلئے ہے اور روپیہ خدا کے قانون میں نرمی پیدا کر سکتا ہے۔ قریش مکہ بھی اسی مذموم ذہنیت سے آلودہ تھے۔ قرآن حکیم جو عدل وانصاف کا پیغام ہے، بھلا کب اس ظلم کو برداشت کر سکتا تھا؟

سورۃ بقرہ آیت نمبر 178 میں واضح طور پر فرمایا گیا "مسلمانو جو لوگ تم میں سے مار دیئے جائیں ان کا برابر کا بدلہ تم پر فرض ہے، آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت' پھر جس خونی کو مقتول کے وارث معاف کر دیں تو اس سے خون بہا وصول کر لو' قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے تاکہ خونریزی سے بچو۔"

اسی طرح سورۃ النساء آیت نمبر 93 میں فرمایا "جو کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کر دے تو اس کا بدلہ جہنم ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہے گا اور اللہ تعالیٰ کی پھٹکار اس پر پڑے گی اور اللہ تعالیٰ نے اس کیلئے بڑا عذاب بنا رکھا ہے۔"

سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 37 میں ارشاد ہوا ہے کہ "جو شخص ظلم سے قتل کیا جائے ہم نے اسکے وارث کو اختیار دیا ہے (کہ ظالم قاتل سے بدلہ لے) تو اسے چاہیے کہ (قصاص کے وقت قاتل کے) قتل میں زیادتی نہ کرے" قتل میں زیادتی کا مفہوم یہی ہے کہ اسی طرح قصاص لیا جائے جس طرح قاتل نے قتل کیا تھا اور یہ بھی کہ قاتل کی جگہ پر کسی دوسرے شخص کو قتل نہ کیا جائے۔

صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر دو پتھروں کے درمیان کچل ڈالا، دوسری حدیث میں ہے کہ ایک لونڈی زیور پہنے ہوئے شہر میں نکلی تو ایک یہودی نے اسے پتھر دے مارا پس لڑکی کو حضور نبی کریم ﷺ کے پاس لایا گیا۔

ابھی اس میں تھوڑی سی جان باقی تھی' نبی کریم ﷺ نے دریافت فرمایا کیا تجھے فلاں شخص نے مارا ہے؟ اس نے اشارے سے جواب دیا کہ نہیں' پھر پوچھا تو اس نے سر کے اشارے کے ساتھ جواب دیا کہ ہاں۔

پس یہودی کو پیش کیا گیا۔ اور اس سے برابر پوچھتے رہے یہاں تک کہ اس نے اقرار کر لیا کہ ہاں میں نے مارا ہے۔

پس حضرت رسول کریم ﷺ نے اسے اسی طرح قتل کیے جانے کی سزا دی۔

سورۃ مائدہ آیت نمبر 45 میں فرمایا گیا ہے "اور ہم نے تورات میں لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، کان کے بدلے کان، ناک کے بدلے ناک، دانت کے بدلے دانت، اور زخموں میں بھی قصاص ہے۔"

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک لڑکی نے دوسری کو طمانچہ مارا اور اس کا دانت توڑ دیا۔ حضور ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے قصاص کا حکم دیا۔

قصاص کی ایک دوسری شکل دیت ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے مقتول کے ورثاء

کو مکمل یا مشروط معافی کا اختیار دیا ہے۔ مشروط معافی یعنی خون بہا کو دیت اور مکمل معافی کو عفو کہتے ہیں ۔سورۃ بقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے،

''جس (قاتل) کو اس کے بھائی (مقتول کے وارث) کی طرف سے کچھ معاف کر دیا جائے تو معروف طریقے سے اس کی پیروی کی جائے (یعنی جو دیت یا خون بہا طلب کیا ہے وہ اسے دلوا کر مجرم کو بری کر دیا جائے)

مسلم اور بخاری میں ہے جس کا قتل ہو جائے تو اسے دو باتوں پر اختیار ہے، چاہے تو اسے دیت دی جائے اور چاہے تو قصاص دلایا جائے۔

اسی طرح عفو کے بارے میں سورۃ شوریٰ آیت نمبر 42-41 میں ارشاد ہوتا ہے کہ ''پس جو معاف کرتا ہے اور اصلاح کرتا ہے اس کا اجر اللہ پر ہے۔''

قصاص کی سزا وہ سزا ہے جس میں بڑی برکتیں ہیں، قرآن میں جو فرمایا گیا کہ ''قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے'' تو یہ زندگی ذرا سی گہری نگاہ سے جائزہ لینے پر دکھائی دے جاتی ہے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ قصاص کی صورت میں مظلومین اور لواحقین کے دل میں انتقام لینے کا جذبہ بیدار نہیں ہوتا۔ انہیں یہی احساس ہوتا ہے کہ انہیں کماحقہ انصاف مل گیا۔ خاص طور پر اس وقت جب عدالت قاتل ظالم کی زندگی و موت کا اختیار ان ورثا کو دیتی ہے کہ چاہیں تو قصاص لے لیں یا دیت یا عفو کے تحت معاف کر دیں۔ جبکہ قاتل کو عمر قید ہو جائے تو وہ قاتل مستقبل میں ان مظلومین اور معاشرے کے لئے اذیت کا سبب بن جاتا ہے۔

دیت یا عفو کی صورت میں مجرم معاشرے میں دوبارہ فعال ہو جاتا ہے۔ اسی طرح قصاص کی صورت میں فوری فیصلہ 'فوری عملدرآمد اور اس عمل درآمد کے فوری طور پر پایہ تکمیل تک پہنچ جانے سے بات ختم ہو جاتی ہے اور اس کے اہل خانہ' بالخصوص اس کی بیوی کو برسوں تک انتظار کی سولی پر لٹکنا نہیں پڑتا۔

ہاتھ کاٹنے کی حکمت، چوری ڈکیتی کا انسداد

سورۃ المائدہ آیت نمبر 38 میں فرمایا گیا ''چور مرد اور عورت، دونوں کا ہاتھ کاٹ ڈالو' یہ سزا ہے ان کے کام کی، عذاب ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے''

چور کا ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ صرف قرآن میں دو ٹوک انداز میں مذکور ہے بلکہ احادیث نبوی سے بھی اس کا التزام ثابت ہے۔ مسلم اور بخاری 'دونوں میں ہے کہ ہاتھ کاٹنا اللہ کی حدود میں سے ایک حد

ہے جس کو بلا امتیاز ہر ایک پر لاگو کیا جائے۔

صفوان بن عبداللہ بن صفوان سے روایت ہے کہ صفوان بن امیہ مدینہ میں مسجد نبوی میں اپنی چادر سر کے نیچے رکھ کر سو رہے تھے۔

ایک چور آیا اور ان کی چادر اٹھالی۔ صفوان نے اٹھ کر چور کو گرفتار کیا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئے۔ آپ ﷺ نے چور سے پوچھا کہ کیا تو نے صفوان کی چادر چرائی؟

وہ بولا "ہاں۔"

آپ ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا۔

صفوان نے کہا "میری نیت یہ نہ تھی یارسول اللہ' وہ چادر تو اس پر صدقہ ہے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا "تجھ کو یہ امر میرے پاس لانے سے پہلے کرنا تھا۔"

نبی اکرم ﷺ سے آپ ﷺ کی حیات کے دوران چور کا ہاتھ کاٹنے کا واقعہ ثابت ہے جبکہ چوری پر قید کی سزا نہ تو قرآن سے ثابت ہے اور نہ ہی آپ ﷺ نے دی ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں نبی اکرم ﷺ کا ایک ڈھال کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا دینا مروی ہے۔ حضرت عثمانؓ نے بھی چور کا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ دیا تھا۔

یہاں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ قطع ید کی یہ سزا اس چور پر لاگو نہیں ہوتی جو انتہائی مجبوری کے عالم میں اور اشد ضروریات زندگی میں سے کسی کی معمولی سی مقدار کی چوری کرے تاہم اس صورت میں بھی مال مسروقہ کی قیمت سے دس گنا رقم متاثرہ شخص کو دلوائی جاتی ہے یا چور کو کوڑے مارے جاتے ہیں۔

اس معمولی سی مقدار کے تعین کے لئے ایک نصاب مقرر ہے۔ اس سے زائد مقدار کی چوری پر بہر حال ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جائیگی تاکہ وہ چور نہ صرف یہ کہ معاشرے میں پہلے کی طرح موجود اور فعال ہو بلکہ دوسروں کیلئے باعث عبرت بھی ہو۔

نسائی شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم ﷺ نے ایک چور کا ہاتھ کٹوا کر اس کے گلے میں لٹکوا دیا۔

اس سزا میں بہت سی حکمتیں ہیں، چوری کیلئے ایسی سزا رکھنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ یہ وہ جرم ہے جو کئی بڑے جرائم کو جنم دیتا ہے۔ بارہا ایسے واقعات علم میں آتے ہیں کہ چور کسی گھر میں گھسے، گھر والوں کو علم ہو گیا تو یہ چوری ڈاکے میں بدل گئی۔ بات بڑھ گئی تو یہ چور قتل و غارت گری کے مرتکب بھی ہو گئے۔ پھر شیطان سوار ہو گیا تو گینگ ریپ کا ارتکاب بھی کر ڈالا۔ الغرض ایک جرم بہت سے دوسرے

جرائم کا باعث بنا۔ اگر ماحول ایسا ہو کہ مجرم ذہنیت کو چوری کا حوصلہ ہی نہ پڑے تو بہت سے دیگر سنگین جرائم کا خود بخود سد باب ہو جائے۔

در حقیقت قطع ید میں بڑی مصلحت ہے۔ چور اپنے معاشرے میں نشان عبرت اور چلتا پھرتا اشتہار بن جاتا ہے اور اسی سے دیگر مجرم اذہان کے حوصلے پست رہتے ہیں۔ اس سزا میں اصلاح کا بنیادی پہلو یہی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اگر معاشرے میں ایک ہاتھ کٹنے سے لاکھوں لوگ محفوظ ہو جائیں تو یہ کسی طرح بھی مہنگا سودا نہیں ہے۔

شراب نوشی، نجاست اور شیطانی عمل

سورۃ مائدہ آیت نمبر 90 میں ہے کہ "شراب و منشیات اور جوا یا نشہ' یہ سب پلید ہیں اور شیطانی کاموں میں سے ہیں"

سنن ابی داؤد اور مستدرک حاکم میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے شراب پینے والے' پلانے والے، بیچنے والے، خریدنے والے، نچوڑنے والے اور نچوڑنے میں مدد دینے والے' اٹھانے والے کہ جس جس طرح اٹھائی گئی ہے اور اس کی قیمت کھانے والے، سب پر لعنت کی ہے۔

بخاری شریف کی کتاب الحدود کی حدیث نمبر 485 میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے شرابی کو جوتوں اور چھڑیوں سے مارا اور ابو بکر صدیقؓ نے اپنی خلافت میں چالیس کوڑے لگائے پھر جب حضرت عمرؓ کی آخر خلافت کا زمانہ ہوا اور لوگوں نے شرارت شروع کی یعنی زیادہ شراب پینا شروع کر دی تو انھوں نے یہ سزا بڑھا کر 80 کوڑے کر دی۔

باری تعالیٰ نے ہر اس شے کو جو انسانی جسم اور انسانی معاشرت کیلئے نقصان دہ ہو اور تباہی کا باعث بن سکتی ہو یا جس سے فتنہ و فساد پھیلنے کا احتمال ہو اور وہ بے غیرتی و بے حیائی کا محرک بنے' اسے انسان اور اس کے معاشرے کیلئے انتہائی سختی سے حرام قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے "**اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ**" یعنی "فتنہ قتل سے بھی زیادہ سنگین اور گھناؤنا ہے" (یاد رہے کہ فتنہ پیدا کرنے والی اشیاء کے دائرے میں شراب کے علاوہ ہر قسم کی منشیات بھی شامل ہیں)

دیکھنے میں آیا ہے کہ زیادہ تر سنگین جرائم کا ارتکاب نشے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ان میں چوری، ڈکیتی، فحاشی اور جسم فروشی سے لے کر زنا بالجبر تک سبھی جرائم شامل ہیں۔

نشہ بہت سے فتنہ و فساد کا بالواسطہ محرک بن سکتا ہے۔ شرابی یا نشہ کرنے والے سے عالم خمار میں جب اسے اپنے حواس پر قابو نہ ہو' کوئی بھی غیر اخلاقی حرکت یا جرم بعید از قیاس نہیں۔ اگر ایسا ہو

جائے تو اس کے دور رس نتائج پورے معاشرے کیلئے نہایت خوفناک ہو سکتے ہیں۔

نشے میں سب سے بڑی برائی یہ ہے کہ یہ انسان کو عبادت سے روک دیتا ہے۔ چونکہ نشے کی حالت میں انسان کو اپنے افعال کا کماحقہ شعور و ادراک اور ان پر اختیار نہیں رہتا اس لئے قرآن میں نشے کی حالت میں نماز کے قریب جانے سے منع کر دیا گیا ہے حالانکہ نماز نہ پڑھنا کفر کے مصداق ہے۔

نشے کی حالت میں انسان عبادات سے دور ہو جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شیطان کا پیروکار بن جاتا ہے اور شیطان وہ ہے جو بد عملیوں کو انسان کے سامنے دلکش بنا کر پیش کرتا ہے۔ ایسے میں گمراہی کے امکانات بہت بڑھ جاتے ہیں۔

اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ شراب نظام عدل و انصاف، ریاستی انتظامی امور، دفاعی صلاحیت، معاشرت غرض تمام شعبوں کیلئے بد عنوانی کا محرک اور بالواسطہ طور پر تباہی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جہاں شراب اور نشہ کو نجاست اور ''شیطانی عمل'' سے تشبیہ دی ہے وہاں دوسری جگہ صریح الفاظ میں شیطانی عمل سے سختی سے روکا ہے کہ میری اطاعت کرو اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور تمہیں بے حیائی اور فحاشی کے کاموں کی ترغیب دیتا ہے اور نشہ چونکہ اسی ترغیب کیلئے معاون ثابت ہوتا ہے چنانچہ اللہ نے اسے غلیظ اور نجس ترین شیطانی عمل قرار دیا ہے اور پرامن اور خوشحال معاشرے کے قیام کے لئے اس نجاست کا سختی سے انسداد کرنا حاکم وقت اور دیگر اہل اقتدار پر لازم ہے۔

ہمارے معاشرے میں عالم یہ ہے کہ نام نہاد معززین ہی نہیں 'خود ارباب اقتدار میں سے بھی اکثر ایسے ہیں جو اس شیطانی عمل میں ملوث ہیں۔ معاشرے کی ابتری کی ایک بڑی وجہ یہی ارتکاب جرم ہے۔ اور دور کیوں جائیں؟ ہماری گزشتہ تیس سالہ تاریخ شاہد ہے کہ ملک کے دولخت ہونے کا ایک بڑا سبب بھی یہی اہل اقتدار کی کثرت شراب نوشی تھا۔

شراب اور نشہ چونکہ انسانیت کیلئے مضر ہے لہٰذا تمام آسمانی مذاہب میں اس کی مناہی کی گئی ہے۔ اسلامی ممالک کیلئے تو اور بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی عملداری میں شراب کی خرید و فروخت کی سختی سے مخالفت کریں اور اس کیلئے اسی کوڑوں کی سزا نافذ کریں۔ چونکہ ہمارے ملک میں شراب پینا اور پلانا قانوناً منع ہے لہٰذا یہ سمجھنا کچھ دشوار نہیں کہ حکام وقت میں سے جب کچھ لوگ اس جرم کا ارتکاب کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود قانون شکن ہیں۔ ایسے معاشرے کا انجام ہر دیدہ بینا کو دکھائی دے جاتا ہے۔

ضروری ہے کہ اس شیطانی عمل کا ارتکاب کرنے والوں میں سب سے بڑے منصب دار کو

سب سے پہلے سر عام اسی کوڑوں کی سزا دی جائے تا کہ یہ لعنت چھوٹے اور ماتحت لوگوں میں بھی ختم ہو جائے اور یوں شراب اور دیگر منشیات کا قلع قمع ہو سکے۔

رجم اور کوڑے "گینگ ریپ۔زنا۔زنا بالجبر اور لواطت کی سزا"

سورۃ النور کے شروع میں فرمایا گیا ہے "یہ وہ سورت ہے جسے ہم نے نازل فرمایا ہے اور اس کی اطاعت فرض مقرر کر دی ہے اور اس میں ہم نے کھلے احکام اتارے ہیں تا کہ تم یاد رکھو۔ جو عورت زنا کرے اور جو مرد زنا کرے تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو"

دوسری جگہ ارشاد ہے کہ "زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو' یہ فحاشی ہے اور بہت برا راستہ ہے"

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے کہ "شادی شدہ عورت مرد زنا کریں تو دونوں کو رجم (سنگسار) کر دو' یہ اللہ کی طرف سے ہے (ان کی سزا ہے)" دوسری جگہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے دو افراد معاذؓ اور غامدیہؓ کو اسی جرم میں سنگسار کرنے کا حکم بھی دیا۔اسی طرح مشہور واقعہ ہے کہ آپ ﷺ نے اسی جرم میں ایک یہودی مرد اور عورت کو سنگساری کی سزا سنائی' اس لئے کہ وہ تورات کے مطابق فیصلہ چاہتے تھے اور تورات میں رجم کا قانون موجود ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اس پر عمل در آمد بھی کرایا۔

رجم کے آسمانی سزا ہونے میں کوئی اشکال نہیں ہو سکتا۔ یہ سزا تورات میں مذکور ہے جیسا کہ حدیث مبارکہ سے ثابت ہے' اور تورات ایک آسمانی کتاب ہے۔ کتب روایات میں آپ ﷺ کا ایک واقعہ مذکور ہے کہ جب آپ ﷺ نے ایک مجرم جوڑے کو سزا دی تو اس کے بعد آپ ﷺ نے اس عزم کا اظہار فرمایا کہ اللہ کے احکام کو جاری و ساری کروں گا۔

آپ ﷺ کی وفات کے بعد خلفائے راشدین نے بھی آپ ﷺ کے اسوہ کی پیروی میں اس قانون پر عمل در آمد جاری رکھا اور آج تک جن ممالک میں اسلامی نظام نافذ ہے اور جہاں یہ سزا رائج ہے' اسی سنت مبارکہ کی اطاعت ہے اور یہ امر اس سزا کے آسمانی سزا ہونے پر دلیل ہے۔

ان شواہد کی روشنی میں یہ گمان رکھنا کہ رجم کی سزا چونکہ قرآن میں مذکور نہیں ہے اس لئے اب حدود اسلامی میں شامل نہیں، فاش غلطی اور سراسر گمراہی ہے۔

لواطت کی سزا صرف رجم ہے۔اس کے لئے شادی شدہ یا غیر شادی شدہ کی کوئی شرط نہیں ہے۔ یہ وہ جرم ہے جس کی سزائے رجم خود اللہ تعالیٰ نے دی ہے' قوم لوط کا پورا واقعہ قرآن میں مذکور ہے ۔ پتھروں کی بارش سے اس سزا کی نشاندہی ہوتی ہے۔

اس سے یہ حقیقت بھی عیاں ہوتی ہے کہ زانی مرد اور زانی عورت کیلئے درے اور رجم کے سوا اور کوئی شرعی سزا نہیں ہے اور قید و بند کی کم یا زیادہ اور نرم یا سخت سزا کا کوئی تصور ہی جائز نہیں ہے۔

دور حاضر میں زنا بالجبر جیسا کریہہ جرم عام ہو چکا ہے۔ نو عمر اور بالغ ہوتی ہوئی بچیوں کو ورغلا کر یا اٹھا کر لے جاتے ہیں اور پھر گینگ ریپ کرنے والے خبیث فطرت مجرم ان بے چاری عورتوں پر بھیڑیوں کی طرح ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اس وقت وہ جس اذیت اور کربناک عذاب سے گزرتی ہیں اس کا اندازہ کرنا دوسرے کے لئے شاید ممکن ہی نہیں۔

بعض واقعات ایسے بھی مشاہدے میں آتے ہیں جب مجرموں نے پہچانے جانے کے خوف سے مظلومہ کو قتل کر کے اس کی نعش کے ٹکڑے دور دور بکھیر دیئے۔

اس قدر ظلم کرنے والوں کیلئے اللہ اور رسول نے سنگساری کی سزا جو رکھی ہے تو یہ فطری تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ ایسی درندگی اور سفاکی کا انسداد کرنے کا کوئی اور طریقہ ہو ہی نہیں سکتا۔ حقوق انسانی کے نام نہاد علمبردار، منافقین اور اسلام دشمن عناصر کچھ بھی کہیں حقیقت یہ ہے کہ قرآنی سزا کا نفاذ ہی اس بربریت کو ختم کر سکتا ہے اور معاشرے میں ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی عصمت کی حفاظت کا ضامن بن سکتا ہے۔

قذف (بدکاری کا جھوٹا الزام)

اسلام میں زنا کی سزا اشد ید ہے۔ لازم تھا کہ ایسا قانون بھی دیا جاتا جس سے کسی بے گناہ کے سزا یاب ہونے کا احتمال ختم ہو جاتا۔ قذف اسی باب کا نام ہے۔ کسی پر زنا، فحش کاری یا لواطت کا جھوٹا الزام دینا قذف ہے۔

قذف کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جھوٹی الزام تراشی کرنے والوں کو فاسق کہا ہے، ان کا عادل ہونا ساقط کر دیا ہے یعنی ان سے عدالتی گواہی کا حق چھین لیا ہے اور ان پر حد کا نفاذ لازم قرار دیا ہے، سورۃ نور آیت نمبر 5-4 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

”جو لوگ پاک دامن عورتوں پر الزام لگائیں اور پھر چار گواہ نہ لائیں ایسے لوگوں کو اسی کوڑے لگاؤ اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو اور یہی لوگ بدکار ہیں مگر جو لوگ اس کے بعد توبہ کر لیں اور عمل کی اصلاح کر لیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے“

صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ حضرت عائشہؓ پر جب جھوٹا الزام لگایا گیا تھا تو آپ ﷺ نے الزام لگانے والوں کو اسی کوڑوں کی سزا دی تھی۔

اس قانون کی بنیادی حکمت یہی ہے کہ معاشرے میں مسلمان کی عزت نفس اور ناموس محفوظ رہے اور اس کی تکریم و سلامتی کو خاطر خواہ تحفظ حاصل رہے۔اس کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرے میں بے حیائی کے پھیلاؤ کی روک تھام اور مسلمانوں میں ذلیل کاموں کی شہرت کو ختم کرنا بھی مطلوب ہے جبکہ اسلامی معاشرہ پاک اور بے داغ تصور کیا جاتا ہے۔

بغاوت ،مرکز سے غداری ارتداد' فتنہ و فساد اور اللہ اور رسول ﷺ سے جنگ

سورۃ المائدہ آیت 33 میں فرمایا گیا ہے کہ "جو لوگ اللہ اور رسول ﷺ سے لڑتے ہیں اور ملک میں فتنہ و فساد مچاتے ہیں تو ان کی سزا یہ ہے کہ ایک ایک کر کے مار ڈالے جائیں یا ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں ان کا کاٹا جائے یا انہیں ملک بدر کر دیا جائے۔ یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کو بڑی مار پڑے گی۔ سوائے ان لوگوں کے جو تمہاری گرفت میں آنے سے پہلے توبہ کر لیں تو یاد رکھو اللہ بخشنے والا مہربان ہے"۔

اس سے پہلی آیت میں مذکور ہے کہ "جس نے کسی کو بلا وجہ قتل کیا یا زمین میں فساد پھیلایا تو اس نے تمام انسانیت کو قتل کیا اور جس نے ایک انسان کو بچایا اس نے انسانیت کو بچایا"

اللہ اور رسول ﷺ سے جنگ کرنے والوں میں امت کے مرکز سے بغاوت یا غداری کرنے والے ،اسلام سے منحرف ہو کر مخالف ہو جانے والے یعنی مرتد اور سازشی دہشت گرد اور فتنہ پھیلانے والے سبھی شامل ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ "جو شخص مسلمان پر ہتھیار اٹھائے اور راستوں کو پر خطر بنائے تو امام المسلمین کو اختیار ہے کہ وہ مذکورہ اسلامی سزاؤں میں سے جو مناسب سمجھے وہ سزا دے"

اسلاف کا قول ہے کہ جب ڈاکو ڈکیتی، قتل و غارت گری، دونوں کے مرتکب ہوں تو قابل دار اور گردن زدنی ہیں اور جب صرف قتل سرزد ہوا ہو تو قتل کا بدلہ قتل ہے اور اگر مال لوٹا ہو تو ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کاٹ دیئے جائیں اور اگر راستے پر خطر کر دیئے ہوں، لوگوں کو خوف زدہ کر دیا ہو مگر کسی گناہ کے مرتکب نہ ہوئے ہوں تو انہیں گرفتار کر کے جلاوطن کر دیا جائے۔

غور کرنے کا مقام یہ ہے کہ کوئی سزا طویل مدت دورانیے کی سزا نہیں ہے، ہر صورت میں سزا پر عمل درآمد مختصر وقت میں تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔اس سزا میں بھی حکمت یہ ہے کہ یا تو وہ مجرم معاشرے میں رہیں ہی نہیں اور اگر رہیں تو عبرت کا نشان بن کر رہیں کیونکہ یہی نشان معاشرے کی

اصلاح اور تحفظ کا ضامن ہے۔

جادو گر کی سزا

مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک جادو گر کو پیش کیا گیا۔

نبی کریم ﷺ نے اسے یرغمال رکھنے کا حکم دیا اور ہدایت فرمائی کہ اگر اس کے حریف پر جادو کا اثر ہو گیا تو اسے قتل کر دیا جائے۔

دوسری روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک جادو گر کو تلوار کے ساتھ گردن اڑا دینے کی سزا بھی دی، اس واقعہ کو ابن سلام نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔

قرآنی سزاؤں کے نفاذ کے ضمن میں چند پہلو کلیدی اہمیت کے حامل ہیں۔

1-سر عام نفاذ (ذریعہ عبرت)

2-عدم تغیر و تخفیف لاتبدیل لکلمات اللہ

3-مساوات، عدم سفارش۔

آیئے اب باری باری ان پہلوؤں کا جائزہ لیں۔

"اسلامی سزاؤں کا سر عام نفاذ" عبرت کا بہترین ذریعہ

اسلامی سزاؤں کو سر عام نافذ کرنے کا حکم خود قرآن میں موجود ہے۔ سورۃ نور کی ابتدائی آیات ہم گزشتہ سطور میں دیکھ چکے ہیں جہاں زانیوں کی سزا کا ذکر ہے۔ وہاں ساتھ ہی یہ بھی حکم ہے کہ اس سزا پر عملدر آمد کے وقت عامۃ المسلمین کا ایک گروہ موجود رہے۔

یہی قانون دوسری سزاؤں کیلئے بھی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ یہی طریقہ فطرت انسانی کے عین مطابق بھی ہے۔ ابتدائی زمانے سے ہی دنیا میں سزا و جزا کا تصور اسی انداز میں جاری رہا ہے۔ آج بھی مشرق وسطٰی کی اسلامی ریاستوں اور خود پاکستان کے بعض قبائل میں سردار قبیلہ یا پنچایت، مجرم کو اس کے جرم کی شرعی سزا سر عام دیتے ہیں جو کہ عین حکم قرآن کے مطابق ہے۔

کئی سال پہلے کی بات ہے کہ پنجاب کی تاریخ میں پہلی بار جب پپو کے قاتلوں کو لاہور میں بر سر عام پھانسی دی گئی تو کافی عرصہ پنجاب میں امن وامان رہا کیونکہ لوگوں کے دلوں میں خوف اور دہشت تھی کہ جو جرم کرے گا اسے سر عام سزا ضرور ملے گی۔ آج اگر اسلامی ممالک یا دوسرے ممالک میں امن وامان ہے تو اس کی بڑی وجوہات میں مجرموں کو سر عام سزائیں دینا بھی شامل ہے جیسا کہ اخباری اطلاع

کے مطابق لادینی ملک چین میں مختلف جرائم میں ملوث 250 مجرموں کو عبرت کے لئے برسر عام موت کی سزا دی گئی۔ اگر ایک غیر اسلامی ملک میں یہ عمل ہو سکتا ہے تو ہم مسلمان ہوتے ہوئے اللہ اور رسول ﷺ کے طریقے سے کس طرح روگردانی کر سکتے ہیں؟

ایک عالمی رپوٹ کے مطابق دنیا بھر میں جرائم کی کم سے کم شرح سعودی عرب میں ہے جہاں اوسطاً 2.5 فیصد جرائم ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس ایک مہذب اور ترقی یافتہ ملک امریکہ میں جرائم کی شرح 65 فیصد ہے۔ اس کا بڑا سبب سعودی عرب میں کھلے بندوں شرعی سزاؤں کا اطلاق و نفاذ ہے۔

جرائم کو روکنے کا موثر ترین ذریعہ "عبرت" ہے اور مجرم اذہان کو یہ عبرت اسی وقت حاصل ہو گی جب وہ سزاؤں پر عمل درآمد سر عام ہوتا ہوا دیکھیں گے۔ اسی لئے قرآن میں بھی ان سزاؤں کے سر عام نفاذ کی تاکید کی گئی ہے۔ ادھر ترقی یافتہ تہذیبوں پر نگاہ ڈالیں تو دکھائی دیتا ہے کہ مغرب میں مجرم 'عدالتوں سے پس پردہ سزاؤں کی رعایت پاتے ہیں۔ قید و بند کی سزائیں تو وہاں پہلے ہی مجرم کو خوفزدہ کرنے میں ناکام ہیں 'سزائے موت بھی کئی ممالک میں ختم ہو چکی ہے اور دیگر میں ختم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب آج مجرموں کی پناہ گاہ بن گیا ہے۔

اللہ نے قرآن میں جتنی سزائیں مقرر کی ہیں ان میں بڑی حکمت رکھی ہے۔ مثال کے طور پر جب ایک شخص سر عام سزا پا رہا ہوتا ہے تو اس سے عبرت حاصل کر کے ہزاروں لاکھوں لوگ سزا کے خوف سے جرائم کے ارادے سے باز آجاتے ہیں اور اکثر تو آئندہ کے لئے توبہ کر لیتے ہیں۔ یہ طریقہ جرائم کا قلع قمع کرنے کیلئے سب سے ارزاں طریقہ ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ سزاؤں کا سر عام نفاذ پر سکون اور پر امن معاشرے کے وجود کا ضامن ہے۔ اسی لئے ہم تاریخ میں دیکھتے ہیں کہ ابتدائے آفرینش سے ہی ہر معاشرہ اپنے مجرموں یا دشمنوں کو سر عام کوڑوں، سنگساری اور سولی کی سزا دیتا رہا ہے۔ موجودہ دور میں سزاؤں پر عمل درآمد کو عوام کی نظر سے چونکہ اوجھل کر دیا گیا ہے لہٰذا جرائم میں بے تحاشہ افزائش ہو رہی ہے۔ یہ ہمارا ہی نہیں 'دنیا کی ہر ریاست کا اولین فرض ہے کہ ملک میں امن و امان قائم کریں اور اس کیلئے لازم ہے کہ سزاؤں کا سر عام نفاذ کر کے اپنا ہدف حاصل کریں۔ اس کیلئے پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا، دونوں کو باقاعدگی سے استعمال کیا جائے۔ انسداد جرائم کیلئے ذرائع ابلاغ پر مختلف پروگراموں کے ذریعے تربیت بھی عام کی جائے تاکہ عوام الناس کو جرائم کے نتیجے میں رونما ہونے والے ما بعد مہلک اثرات سے خاطر خواہ آگاہی ہو جائے اور مروجہ قوانین کے بارے میں بھی ان کو پوری معلومات حاصل ہوں کیونکہ بہت سے جرائم قانون سے ناواقفیت کی بناء پر بھی وقوع پذیر ہو جاتے ہیں۔

اس تمام تر جائزے کے بعد یہ کہنا درست ہو گا کہ اگر ارباب اقتدار اللہ اور رسول ﷺ پر یقین

کامل رکھتے ہیں اور جرائم کو روکنے میں سنجیدہ اور مخلص ہیں تو انہیں لازماً شرعی سزاؤں کا سرعام نفاذ کرنا ہو گا۔

تعزیر میں مساوات کی تاکید اور سفارش کی مناہی

دنیا بھر کے قانونی ڈھانچوں میں جو بنیادی غلطی کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ جرمانہ اور قید کی سزائیں کمی بیشی کا اختیار فاضل عدالت کو دے دیا جاتا ہے۔ یہی وہ غلطی ہے جس سے سفارش اور اقربا پروری کے جرائم پنپتے ہیں، اس ضمن میں آپ ﷺ کے دور کا ایک واقعہ ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔

بخاری شریف کی کتاب الحدود حدیث نمبر 499 میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کیا گیا ہے کہ حضرت اسامہ بن زیدؓ نے آپ ﷺ سے ایک اونچے خاندان سے تعلق رکھنے والی مجرمہ کی سزا میں تخفیف کی سفارش کی۔ یہ عورت چوری کے جرم میں گرفتار کی گئی تھی۔

حضرت اسامہؓ ابھی نوعمر تھے اور نبی اکرم ﷺ کے منہ بولے بیٹے حضرت زیدؓ کے فرزند تھے چنانچہ آپ ﷺ انہیں بہت عزیز رکھتے تھے۔ سفارش کرنے والوں نے انہیں اس لئے بھیجا تھا کہ شاید آپ ﷺ اسامہؓ کی محبت کی وجہ سے رد نہ فرمائیں۔ چنانچہ اسامہؓ نے تخفیف سزا کی سفارش کر دی۔

آپ ﷺ نے اسامہؓ سے ناگواری سے پوچھا کہ تم اللہ کی مقررہ حد میں سفارش کر رہے ہو؟

اسکے بعد آپ ﷺ صحابہؓ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ "تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں وہ اسی وجہ سے تباہ ہوئیں کہ وہ غریب آدمی پر تو سزا جاری کرتے اور بڑے (امیر) آدمی کو چھوڑ دیتے۔ قسم اس رب کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر خود میری بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کٹوا دیتا۔" اور پھر مجرم عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔

اسی طرح ابوداؤد اور الحاکم میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ "جس کی سفارش اللہ کی حدود میں سے کسی حد کی راہ میں حائل ہو گئی تو اس نے اللہ کے حکم کی مخالفت کی"

ہمارے ہاں تو آوے کا آوا ہی الٹا ہے۔ سزا میں امتیاز تو اپنی جگہ، جیلوں میں بھی مختلف درجے ہیں۔ کسی مجرم کو اے کلاس تو کسی کو بی یا سی کلاس دی جاتی ہے۔ دور جہالت میں یہود و نصاریٰ نے جو سزائیں ہم کو مقرر کر دیں اور ان کے نفاذ کا جو طریقہ ہمیں بتا دیا ہم ابھی تک اسی کا دامن پکڑے بیٹھے ہیں۔ شرم کی بات ہے کہ اس کے باوجود خود کو مسلمان کہنے کی جرات کس بے باکی سے کرتے ہیں؟

حدود کے نفاذ میں چھوٹے بڑے کی تمیز روا نہ رکھنے کی بہت سی مثالیں ہماری تاریخ میں درخشاں ہیں۔ یہاں دور فاروقی کی ایک دو مثالیں ذکر کر رہے ہیں۔

شام کے کسی علاقے کا بادشاہ جبلہ بن الایہم غسانی مسلمان ہو گیا۔ایک دفعہ مکہ آیا اور طواف کرتے ہوئے اس کی چادر کا ایک کونا کسی دوسرے مسلمان کے پاؤں تلے آیا تو جبلہ نے اس کے منہ پر تھپڑ مار دیا۔اس شخص نے بھی برابر کا جوابی تھپڑ مار دیا۔

بات بڑھ گئی اور جبلہ حضرت عمرؓ کے پاس شکایت لے کر پہنچ گیا۔آپؓ نے فرمایا کہ کوئی جرم نہیں ہوا' جیسا تم نے کیا ویسا ہی (بدلہ) پایا۔

جبلہ نے کہا ہم تو وہ ہیں جو کسی کی گستاخی پر اس کا سر قلم کر دیتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا ہاں 'زمانہ جاہلیت میں ایسا ہی تھا۔

جبلہ نے کہا اگر ایسا ہی ہے کہ اسلام اعلیٰ اور ذلیل کا امتیاز نہیں رکھتا تو میں اس سے باز آتا ہوں،اور مرتد ہو کر بھاگ گیا۔

حضرت عمرؓ عملی مساوات کا کامل نمونہ تھے۔خلیفہ اور عام لوگوں کے حقوق میں کوئی فرق نہیں تھا۔

مشہور واقعہ ہے کہ آپؓ نے اپنے بیٹے کو شراب نوشی کے جرم پر اسی (80) کوڑوں کی سزا سنائی۔متعلقہ افسر نے یہ سوچ کر کہ خلیفہ کا بیٹا ہے،آہستہ آہستہ نرم ہاتھ سے کوڑے لگوائے،آپؓ کو معلوم ہوا تو خود اپنی نگرانی میں سر عام دوبارہ پوری قوت سے کوڑے لگوائے۔

قرون اولیٰ میں ایسے کتنے ہی واقعات موجود ہیں کہ جب کسی اعلیٰ شخصیت نے جرم کیا تو اسے بھی وہی سزا دی گئی جو حدود میں مقرر کی گئی ہے۔

اس سے نفاذ حدود میں مساوات کا التزام سامنے آتا ہے کہ یہ ان بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے جن کو کسی سیاسی یا سماجی مصلحت، کسی خارجہ پالیسی، کسی انسانی حقوق کے جھوٹے پراپیگنڈے یا اندرونی و بیرونی دباؤ یا سفارش کی بناء پر پس پشت نہیں ڈالا جا سکتا۔اس لئے کہ یہی عدل وانصاف کی روح ہے۔

"اللہ کے قوانین تبدیل نہیں ہوتے"

پابندی سلاسل اور قید وبند کی سزا یعنی جیل خانہ جات کا آفاقی سزاؤں (حدود اللہ) میں کوئی وجود نہیں۔

سزا کا اصل مقصد جرائم کا خاتمہ ہے۔جس سزا سے یہ مقصد حل نہ ہو،وہ مفید ہونے کی بجائے معاشرے کیلئے ضرر رساں بن جاتی ہے۔اسی لئے قرآن و سنت میں سزاؤں کے نفاذ میں کسی رو رعایت کے امکانات کو سختی سے کچلا گیا ہے۔سورۃ نور کی ابتدائی اور جامع آیت میں جن کا حوالہ پہلے بھی دیا جا چکا

ہے' جب سزا کاذکر کیا گیا تو ساتھ ہی یہ تاکید بھی کی گئی کہ اگر تم اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہو تو ان (مجرموں) پر اللہ کا حکم و شریعت نافذ کرنے میں ہرگز رحم نہ کرنا۔

سورۃ احزاب کا حکم بھی ہم دیکھ چکے ہیں کہ مومن مرد یا عورت کیلئے جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم آجائے تو اس میں اختلاف کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

اللہ کے احکام کے سامنے اپنی مرضی نہ چلانے کا وعدہ ہی دراصل کلمہ طیبہ کا مفہوم بھی ہے۔ حضرت عبادہ ابن ثابتؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں سے بیعت لی تھی کہ "اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ چوری، زنا، لوٹ مار اور اللہ کی نافرمانی نہیں کریں گے اور جس جان کا مارنا اللہ نے حرام کیا ہے اس کو نہیں ماریں گے۔ اس کے بدلے ہمیں دنیا و آخرت میں جنت کی زندگی ملے گی"

پھر اس حلف نامے کے مزید الفاظ مروی ہیں جو نہایت چونکا دینے والے ہیں کہ "اگر ان گناہوں میں سے کوئی گناہ ہم سے ہو جائے تو اس کا فیصلہ اللہ کے اختیار میں ہے کہ چاہے عذاب کرے ،چاہے معاف کردے"

یہاں آخری کلمات پر غور کریں تو صاف پتہ چلتا ہے کہ مذکورہ گناہوں یعنی جرائم پر سزا کی نوعیت اور مقدار مقرر کرنے کا اختیار انسان کا ہے ہی نہیں، یہ اللہ کی مرضی ہے کہ وہ کسی جرم پر کتنی سزا مقرر کرتے ہیں اور وہ سزا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مقرر و متعین کر کے ہمیں بتلا دی ہے۔ سورۃ کہف آیت 26 میں ارشاد ہے "اس کے کلمات تبدیل نہیں ہوتے اور وہ اپنے حکم و قانون میں کسی کو شریک نہیں کرتا"

اسی طرح سورۃ رعد آیت 32 میں دوٹوک فیصلہ دیا گیا ہے کہ " **وَ اللہ یحکم لاَ معقِبَ لِحُکمہِ**"۔ "اللہ کی حکومت ہے' اس کے حکم پر کوئی نظر ثانی نہیں ہے"۔

سورۃ یونس آیت 64 میں فرمایا گیا کہ اللہ کے کلمات (قوانین) میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔

ایسے احکام قرآن میں متعدد مقامات پر وارد ہوئے ہیں جن سے عیاں ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بنائے ہوئے قانون تعزیرات اور شریعت میں مقرر کی ہوئی ان سزاؤں میں تخفیف و تبدیلی یا نظر ثانی کا اختیار کسی مقننہ عدلیہ یا کسی بشر کو نہیں دیا۔

یہ حکم بلاوجہ نہیں ہے۔ حقیقت میں ان سزاؤں کی بنیادی حکمت یہی ہے کہ ان کے ذریعے مجرم معاشرے پر بوجھ نہیں بنتا۔ ظاہر ہے کہ جیل خانے سرکاری خرچ سے چلتے ہیں اور سرکاری خرچ اس

رقم سے کیا جاتا ہے جو ٹیکسوں کی شکل میں عوام سے وصول کی جاتی ہے گویا سزائے قید کی صورت میں مجرم کی کفالت کا خرچ خود معاشرے کو اٹھانا پڑتا ہے۔ یہ کہاں کی منطق ہے کہ ایک شخص جو خود معاشرے کیلئے ناپسندیدہ ہے' اسلئے کہ اس نے اپنے جرم کے ذریعے خود معاشرے کو نقصان پہنچایا ہے' اس شخص کی کفالت کا بوجھ بھی اسی معاشرے پر ڈال دیا جائے؟ اسلامی سزاؤں کی ایک بڑی حکمت یہی ہے کہ سزا پانے والا کسی بھی حالت میں نہ خود معاشرے پر بوجھ بنتا ہے اور نہ اسکے بال بچے یا وہ لوگ جن کا وہ کفیل ہوتا ہے۔

ہمارے ہاں کی جیلیں تو ویسے بھی اپنا جواز برقرار رکھنے میں بری طرح ناکام ہو چکی ہیں۔ یہ تو مجرم اذہان کیلئے ایک تربیت گاہ کا درجہ اختیار کر چکی ہیں اور عام مشاہدہ ہے کہ چھوٹا موٹا جرم کر کے جیل جانے والا شخص جب باہر نکلتا ہے تو کہنہ مشق مجرم بن چکا ہوتا ہے۔ جیل میں اسے استاد اور گرو مل جاتے ہیں جن کی صحبت سے نہ صرف اس کا پہلے سے کمزور ضمیر بالکل ہی مردہ ہو جاتا ہے بلکہ اس کی رسائی جرم کے لئے کمیشن پر تحفظ دینے والے کئی گروہوں اور مافیا وغیرہ تک ہو جاتی ہے۔ عادی مجرم تو جیل کو سسرال کے لقب سے پکارتے ہیں۔ گویا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہ جیلیں معاشرے پر ایسا ناگوار بوجھ ہیں جیسا کینسر کے مریض کیلئے سرطانی پھوڑا ہوتا ہے۔ باری تعالیٰ کو ان تمام قباحتوں، ان تمام خباثتوں کا علم تھا چنانچہ انھوں نے قرآن میں جن جرائم کا تعین کیا ہے ان میں سے کسی کی سزا کیلئے قید کا حکم فرمایا ہی نہیں تا کہ کسی بھی حوالے سے معاشرتی ابتری کا کوئی چور دروازہ بننے نہ پائے۔

شرعی سزاؤں میں چوری' ڈکیتی' مال و دولت و زمین پر ناجائز قبضہ کی سزا صرف ہاتھ پاؤں کاٹنا ہے۔ ہاتھ پاؤں کٹا ہوا مرد یا عورت دوسرے لوگوں کی عبرت کیلئے ایک چلتا پھرتا اشتہار ہے۔ مذکورہ جرائم کے سلسلے میں مجرم کو جو سزائے قید دیتے ہیں، آسمانی کتابوں یا قرآن و حدیث میں اس کا کہیں ذکر نہیں۔ قید و بند سے انسانی آزادی کا حق تلف ہوتا ہے اور اللہ نے اس کی اجازت نہیں دی۔ جب جرائم کی سر عام شرعی سزائیں دی جائیں گی تو جیل خانوں' ان کے عملے اور اخراجات کا جواز نہیں ہوگا۔

حدود کے تحت ملنے والی سزاؤں کے ضمن میں سزائے قید کا سراغ دور نبوی ﷺ کے علاوہ دور خلافت راشدہ میں بھی نہیں ملتا۔ کسی بھی جرم میں خواہ وہ حادثاتی ہی کیوں نہ ہو مثلاً قتل خطا میں دیت کا قانون ہے اور سزائے قید یا سرکاری جرمانے کا کوئی تصور نہیں ہے۔

ہمارے قانون میں چونکہ بہت سے سقم ہیں لہٰذا ان کی وجہ سے کفار اور دشمنان اسلام کو یہاں تک جرات ہو جاتی ہے کہ وہ معاشرے کے کسی مجرم کی سزا میں رعایت کی سفارش کرنے لگتے ہیں۔ ظاہر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ قانون میں تخفیف سزا کی گنجائش موجود ہے۔

جب مجرم کو کم سزا دینے کیلئے سفارشیں آنا شروع ہو جاتی ہیں تو سزائے موت میں تخفیف کر کے اسے عمر قید وغیرہ میں تبدیل کرنے پر غور اور سوچ بچار ہونے لگتا ہے۔ ایسی کئی مثالیں پاکستان کی پچاس سالہ تاریخ میں موجود ہیں اور آج بھی یہی عالم ہے کہ کوئی مجرم اگر اہم شخصیت ہو تو نرم سزا کیلئے اندرون و بیرون ملک سے سفارش آنا شروع ہو جاتی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے جرم واضح ہو جانے کے بعد سزا میں تخفیف یا سزا کی نوعیت میں تبدیلی کا اختیار حاکم وقت یا عدالت کو نہیں دیا۔ فیصلہ سنانے والوں کو سورۃ مائدہ کی آیات مبارکہ ذہن میں رکھنی چاہئیں جن کا گزشتہ سطور میں ذکر آیا تھا اور جن میں دوٹوک انداز میں فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی کافر، ظالم اور فاسق ہیں۔

بے شک یہ درست ہے کہ قانونی ڈھانچے میں خرابیوں کے باعث کئی مجرم سزا سے بچ بھی نکلتے ہیں اور یہ بھی درست ہے کہ یہ خرابیاں پورا نظام شریعت محمدیہ نافذ ہونے تک دور نہیں ہو سکتیں لیکن جو کام ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ جب ایک شخص قانون کی نظر میں مجرم قرار پا جائے تو پھر شرعی تقاضے کے مطابق اس کو سزا وہی دی جائے جو اللہ نے اس مقصد کیلئے مقرر کی ہے۔

قتل، چوری، ڈکیتی، زنا اور شراب نوشی یہ تو ایسے جرائم ہیں جن کیلئے شریعت میں قید کی کوئی سزا نہیں ہے۔ قصاص کے ضمن میں قتل، دیت یا عفو، تینوں صورتوں میں اسیری (مختصر یا طویل مدتی) کا کوئی تصور نہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو آزاد پیدا کیا ہے لہٰذا اس کی آزادی کو قید و بند کی صورت میں سلب کر لینا سراسر ناانصافی اور ظلم ہے۔ خاص طور پر عورتوں کیلئے سزائے قید تو ان پر ایسا ظلم ہے جس سے پورا معاشرہ براہ راست متاثر ہوتا ہے۔ جیلوں میں عصمت و آبرو کی پامالی ایک عام سی بات ہے، اس کے علاوہ وہ عورتیں جن کے بچے سزائے قید کے دوران جنم لیتے ہیں یا اسی ماحول میں آنکھ کھولتے، ہوش سنبھالتے ہیں انہیں بھی کسی گناہ کے بغیر سزا ملنا شروع ہو جاتی ہے اور یہ ظلم عظیم ہے۔

ان بچوں کی شخصیت مجروح ہوتی ہے اور کردار ناشائستہ۔ ان کا بڑے ہو کر قابل تحسین کردار اور شخصیت کا مالک بننا تقریباً ناممکن ہے اور اس کے اثرات لامحالہ طور پر معاشرے پر پڑیں گے۔ گویا یہ کہنا درست ہو گا کہ ان سب قباحتوں اور فساد کا اصل سبب عورت کو ملنے والی سزائے قید ہے۔

اسلام نے جو سزاؤں کے نفاذ میں عورت اور مرد کے درمیان کوئی تخصیص روا نہیں رکھی تو اس میں بڑی حکمت ہے۔ عورت کو نرم سزا دینے کی خواہش کرنے والوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ نبی اکرم ﷺ نے چور عورت کو خود ہاتھ کاٹنے کی سزا سنائی تھی اور کسی سفارش کو قبول نہیں کیا تھا۔

یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے۔

ممکن ہے بعض اذہان میں یہ گمان پیدا ہو کہ چودہ سو برس قبل کے تمدن میں قید خانوں کا کوئی تصور ہی موجود نہیں تھا اور اسی وجہ سے اسلامی سزاؤں میں قید کی سزا کا ذکر نہیں ہے۔

یہ گمان دراصل لاعلمی پر مبنی ایک مفروضے سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ یہ سوچنا ہی غلط ہے کہ آپ ﷺ کو قید خانے کے تصور کا علم نہیں تھا۔ درحقیقت قید و بند اور جسمانی سزا' دونوں طرح کی تعزیرات کا تصور ہمیشہ سے انسانی تمدن میں موجود رہا ہے۔ سورۃ شعراء میں مذکور ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ نے فرعون کو اللہ کا حکم سنایا تو اس نے جواب دیا کہ میں تمہیں دوسروں کے ساتھ وہاں ڈال دوں گا جہاں وہ قید خانوں میں بند ہیں۔ اس کے بعد دوسرے مقام پر جب جادوگر حضرت موسیٰ پر ایمان لے آئے تو فرعون نے ان جادوگروں کو دھمکی دی کہ میں تمہارے ہاتھ پاؤں آڑے ترچھے کاٹ دوں گا۔

اسی طرح قرآن میں حضرت یوسفؑ کے قید میں جانے کا پورا واقعہ مذکور ہے کہ اگرچہ ان کا کوئی جرم بھی نہیں تھا پھر بھی انھوں نے عورتوں کے شر سے اس قید خانے میں پناہ اور حفاظت حاصل کرنے کو ترجیح دی۔

صلح حدیبیہ کے ضمن میں دو صحابہؓ حضرت ابو جندلؓ اور ابو بصیرؓ کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ صلح حدیبیہ کے بعد مدینے آئے تو قریش نے انہیں واپس مانگا۔ معاہدے کے مطابق انہیں لوٹایا گیا تو قریش مکہ نے انہیں قید کر لیا جہاں سے وہ بعد میں کسی نہ کسی طرح فرار ہوئے۔

ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کے صحابہؓ میں بیرونی تہذیبوں سے تعلق رکھنے والے اصحاب مثلاً سلمان فارسیؓ اور صہیب رومیؓ بھی تھے۔ حضرت سلمانؓ سے تو آپ ﷺ کی مشاورت بھی ثابت ہے۔ غزوہ خندق کھودنے کا مشورہ انہی کا تھا اور انہوں نے یہ آئیڈیا تہذیب فارس سے لیا تھا۔ یقیناً انہیں قید خانوں کے وجود کا علم بھی رہا ہوگا کیونکہ فارس و روم جیسی بڑی بڑی سلطنتوں میں قید خانے کا وجود عین قرین قیاس ہے۔ اگر ان سب شواہد کی موجودگی میں قرآن نے کسی جرم پر قید کی سزا نہیں رکھی تو اس کا ایک ہی مطلب ہے کہ قید کی سزا دینا منشائے الٰہی کے خلاف ہے اور کوئی مسلمان اللہ کی مقرر کردہ حدود سے باہر نہیں جا سکتا۔ اسی لئے آپ ﷺ نے بھی کسی کو قید کی سزا نہیں دی' حتیٰ کہ بدر میں ہاتھ آنے والے جنگی قیدیوں کیلئے بھی کوئی قید خانہ نہیں بنایا۔ ان کیلئے بھی فدیہ رکھا گیا اور جو نہیں دے سکتے تھے انہیں کہا گیا کہ ناخواندہ کو خواندہ بنا دیں، یہی ان کا فدیہ ہے۔ پھر بھی جو بچ رہے انہیں صحابہؓ کے سپرد بطور خادم کر دیا گیا اور یہ حقیقت تاریخ کا حصہ ہے کہ صحابہؓ ان سے احسان کا برتاؤ رکھتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں قید خانے تعمیر کیے گئے تھے مگر یہ بات کہیں

ثابت نہیں کہ قرآنی سزاؤں کے نفاذ میں انھوں نے کوئی تبدیلی کی ہو یعنی ایسے جرائم جن کی سزا خود قرآن میں مقرر کی گئی ہے ان جرائم کیلئے انھوں نے مقررہ سزاؤں کی جگہ قید کی سزا دی ہو چنانچہ یہ کہا جائے گا کہ ان کے دور میں جو قید خانے بنائے گئے تھے ان کی حیثیت جیل کی نہیں تھی بلکہ وہ ایسے حوالات یا جوڈیشل لاک اپ تھے جہاں الزام ثابت ہونے سے پہلے ملزم کو زیر تحویل رکھا جاتا ہے تاکہ وہ مقدمے کی سماعت مکمل ہونے تک فرار نہ ہونے پائے۔

مختصر یہ کہ قرآن کے متعینہ فوجداری جرائم کی سزاؤں کو جرمانے یا قید میں تبدیل کر دینا حکمت شریعہ کے سراسر خلاف ہے۔ایک شخص قتل عمد کے جرم میں اگر قصاص کی سزا پاتا ہے یا دیت یا عفو کے ذریعے بری ہو جاتا ہے تو ان تینوں حالتوں میں اس کے بیوی بچوں اور دیگر لواحقین کیلئے ان کے مستقبل کے بارے میں حتمی فیصلہ ہو جاتا ہے۔ قصاص کی صورت میں اگر وہ جان سے ہاتھ دھوتا ہے تو اس کی بیوی اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے میں آزاد ہوتی ہے۔دیت یا عفو کی صورت میں وہ دوبارہ معاشرے میں فعال ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ بہر حال آزاد شہری ہوتا ہے۔ جبکہ قید وبند کی صورت میں اس کے ساتھ ساتھ لواحقین کو بھی سزا ملتی ہے۔ جیل میں ملاقات اور دیگر معاملات میں عملے کی بدعنوانیاں تو عام سی بات ہے اس کے علاوہ بھی ان کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اکثر وبیشتر اس کے بیوی بچوں کیلئے اپنی کفالت یا معاشرے میں عزت و توقیر مسئلہ بن جاتا ہے جس سے بالخصوص اس کے بچوں میں جرم کا رجحان جڑ پکڑنے لگتا ہے۔ معاشرے میں رہتے ہوئے یہ احساس کہ ان کا باپ جیل میں ہے' ایک عذاب کی طرح مسلط رہتا ہے اور انہیں دوسروں کی نظروں میں حقیر کرتا ہے جو بہت سی نفسیاتی پیچیدگیوں، پھر معاشرے سے بغاوت اور جرائم کے فروغ کا باعث بنتا ہے۔

اسی طرح چوری کا معاملہ بھی ہے۔ مجرم قطع ید کی سزا بھگتنے کے بعد اپنے گھر بار کی کفالت کا بدستور اہل رہتا ہے۔ شرابی زانی بھی کوڑوں یا رجم کی سزا کے ذریعے اپنی اپنی منزلوں کو پہنچ جاتے ہیں اور زندہ رہنے والا قیدی بن کر معاشرے پر بوجھ نہیں رہتا۔

دوسری طرف حکومت کو یہ فائدہ ہے کہ اخراجات میں بہت کمی ہوتی ہے۔ جیلوں پر اٹھنے والے کروڑوں کے اخراجات اور لاکھوں کی تعداد میں عملے کی تنخواہیں خود بخود کم ہو جاتی ہیں۔

ان سب سے بڑا فائدہ عوام کو ہوتا ہے کہ ان کی جان ومال کو' ان کی عزت و آبرو کو کماحقہ تحفظ حاصل ہو جاتا ہے جبکہ خود حکومت کیلئے بھی جرائم کے کنٹرول کی ذمہ داری اور پریشانی میں معتدبہ حد تک کمی ہو جاتی ہے اور حکومت اپنی توجہ دیگر ترقیاتی کاموں پر بہتر طریقے سے دے سکتی ہے۔

فاسقین و منافقین کا اسلام دشمن پراپیگنڈا اور اس کی اصلاح

افسوس کہ آج ہمارے معاشرے میں قرآنی جزاو سزا کے تصور کا فقدان ہے اور ملکی قانون کی گرفت بھی کمزور ہونے کے باعث جرائم میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے اور پوری قوم خدائی احکام کی خلاف ورزی کی سزا بھگت رہی ہے۔ آج اگر ہمارے پیارے ملک میں شرعی سزاؤں کا مکمل نفاذ اور ان کا برسر عام اطلاق ہو، دہشت گرد کا سر عام سر قلم کیا جائے، چور کے ہاتھ کاٹے جائیں، زانیوں اور شرابیوں کو سنگسار کیا جائے اور کوڑے مارے جائیں تو نہ صرف امن وامان کی صورت حال بہتر ہو گی بلکہ جرائم کا بھی قلع قمع ہو گا۔ انسانی حقوق کے نام نہاد علمبردار، سیکولر اور مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے بے دین لوگ جب ان سزاؤں کو ظالمانہ قرار دیتے ہیں تو اللہ کے احکام کی کھلم کھلا مخالفت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ عقل سلیم ہی نہیں، تاریخ انسانی، بالخصوص تاریخ اسلام بھی ان کی تائید نہیں کرتی۔ روایات کی کتابوں میں کتنے ہی ایسے واقعات منقول ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ قرون اولیٰ میں لوگ اپنے جرم کو چھپانے کے بجائے اپنے آپ کو سزا کے لئے خود پیش کرتے تھے تاکہ وہ اسی دنیا میں سزا پالیں اور آخرت کے عذاب سے بچ جائیں۔ آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں ایک زانی عورت آپ ﷺ کے سامنے پیش ہوئی تو آپ ﷺ نے اسے رجم کی سزا دی اور فرمایا کہ آج یہ عورت پاکیزہ ہے۔ اسی طرح حضرت عمر بن سمرہؓ حضور پاک ﷺ کے پاس آکر کہتے ہیں کہ مجھ سے چوری ہو گئی ہے' آپ ﷺ مجھے پاک کیجئے۔ آپ ﷺ نے تصدیق کرنے کے بعد ان کا ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہاتھ کٹنے پر میں نے ہاتھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ اللہ کا شکر ہے جس نے تجھے میرے جسم سے الگ کر دیا' تو نے تو میرے سارے جسم کو جہنم میں لے جانا تھا۔

اسی طرح کے کتنے ہی واقعات دور نبوی ﷺ اور خلفائے راشدین کے دور کے' تاریخ کے اوراق میں موجود ہیں جب مجرم خود اپنے آپ کو سزا کیلئے پیش کرتا تھا۔ یہ سب واقعات اس حقیقت پر دلیل ہیں کہ یہ سزائیں فطرت انسانی کے کس قدر مماثل ہیں۔

نظام شریعت کی مخالفت کرنے والے شخص کو قرآن منافقین میں شمار کرتا ہے خواہ وہ نام نہاد مسلمان بزعم خود کیسا ہی پرہیز گار کیوں نہ ہو۔ نفاذ کے خلاف پراپیگنڈا کرنے والے کچھ نام نہاد مسلمان اس قسم کا اعتراض بھی کرتے ہیں کہ حدود کا نفاذ معاشی خوشحالی کے بغیر جائز نہیں ہے۔

یہ اعتراض دو وجوہ کی بنا پر غلط ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ کسی بھی نظام میں تعزیرات کا نفاذ اس اصول سے مشروط نہیں ہوتا۔ مثلاً کبھی یہ نہیں کہا جاتا کہ تعزیرات پاکستان کا نفاذ اس وقت تک نہیں ہو

سکتا جب تک ملک مقروض ہے۔اب اگر یہ اصول تعزیرات پاکستان پر لاگو نہیں ہوتا تو اسکا ڈھکوسلا حدود اسلامی پر ہی کیوں۔؟احادیث شاہد ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے جب حدود کا نفاذ کیا تو مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ بھوک کی شدت میں پیٹ پر پتھر باندھے جاتے تھے اور شہداء کے کفن کیلئے پوری چادر تک نہ ہوتی تھی۔سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس وقت حکومت تمام مسلمانوں کی کفالت کی ذمہ دار تھی۔؟اگر اس حالت میں بھی حدود کا نفاذ کیا گیا تو آج یہ اعتراض کیسا؟

دوسری وجہ اس اعتراض کے غلط ہونے کی یہ ہے کہ بہت سے جرائم ایسے ہوتے ہیں جن کا معیشت سے تعلق ہی نہیں ہوتا' مثلاً آبروریزی' زنا' دہشت گردی' شراب نوشی' منشیات' فرقہ واریت وغیرہ۔اسی طرح چند جرائم ایسے بھی ہوتے ہیں جو اگرچہ حصول زر سے متعلق ہیں مگر اس کے باوجود ان کا محرک غربت یا مفلوک الحالی نہیں بلکہ ان کا مقصد عیش پرستی یا طبقاتی امتیاز کا فروغ ہوتا ہے۔جہاں تک چوری کا تعلق ہے تو اس کے لئے بھی حدود میں تعین موجود ہے اور انتہائی مجبوری کے عالم میں کئے جانے والے معمولی سرقہ پر عہد رسالت میں ہاتھ کاٹنے کی بجائے کوڑوں یا دس گنا جرمانہ کی سزا کی مثال موجود ہے مگر ان کو کیا کہیے جنہوں نے ڈکیتیوں کو پیشہ بنا رکھا ہے' عیاشیوں کے لئے لاکھوں کروڑوں کے ڈاکے ڈالتے ہیں یا پھر وہ لوگ ہیں جن سے کئی سیاستدان جاگیردار' سرمایہ دار اور وڈیرے اپنی چودھراہٹ قائم رکھنے کی غرض سے جرائم کرواتے ہیں اور پھر یہ لوگ قتل و غارت تک کے بھی مرتکب ہو جاتے ہیں ۔دراصل یہی لوگ مجرمانہ ذہنیت رکھتے ہیں اور معیشت کی بدحالی کی آڑ میں معافی کے حقدار ہرگز نہیں ہیں۔

افسوس یہاں شرعی سزاؤں کو غیر انسانی یا غیر فطری سزائیں قرار دینے والے افراد اسلام اور مسلمانوں سے مخلص نہیں ہیں۔الٹا کئی لوگ دین اسلام کا مضحکہ اڑانے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کی روک ٹوک کرنے والا کوئی نہیں۔ظاہر ہے یہ سب اللہ کے عذاب کو خود دعوت دینے والی باتیں ہیں۔

ہمارے بگاڑ کا سبب ہمارا نظام ہے۔ہمیں حکومت انگریزوں سے ملی چنانچہ پارلیمانی نظام حکومت بھی وہی رہا اور عدل و انصاف کیلئے پولیس اور عدالت کا نظام بھی وہی رہا۔ہمارے قانون دان اعلیٰ تعلیم کیلئے اور ماہرین انتظام پولیس ٹریننگ کیلئے برطانیہ بھیجے جاتے رہے حالانکہ وہاں جرائم کی شرح بہت زیادہ ہے۔ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ ان تمام اقدامات کے باوجود ہمارے ہاں صورت حال ابتر ترین حالت کو پہنچتی جارہی ہے چنانچہ اصلاح احوال کی تجویز یہ ہے کہ برطانیہ کی بجائے اس معاشرے کو مثال بنایا جائے جہاں جرائم کی شرح کم ہے۔

اعدادو شمار کے مطابق اس وقت سعودی عرب میں جرائم کی شرح سب سے کم ہے جبکہ ان کا

عدالتی وانتظامی ڈھانچہ کامیابی سے چل رہا ہے۔ مناسب ہوگا کہ اس نظام سے استفادہ کیا جائے اور قانون و انتظام کی تعلیم و تربیت کیلئے سرکاری یا غیر سرکاری سطح پر جو بھی لوگ جائیں یا بھیجے جائیں تو وہ سعودی عرب بھیجے جائیں اور وہیں سے خوشہ چینی ہو تا کہ ہمارے معاشرے کو بھی وہی فوائد و ثمرات حاصل ہوں جو اس معاشرے کو حاصل ہیں۔

عدالت و وکالت کا جرائم کے انسداد میں کلیدی کردار

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جس طرح ڈاکٹر سے مرض چھپا نہیں رہتا بلکہ ظاہر ہو کر رہتا ہے اسی طرح وکلاء حضرات کے سامنے جلد یا بدیر مجرم کے جرم کا اظہار بھی ایک یقینی عمل ہے۔ ہمارے معاشرے میں عام لوگوں کے دلوں میں جرائم پیشہ افراد کیلئے خوف کے ساتھ ساتھ کراہت بھی ہوتی ہے کیونکہ یہ ایک بین حقیقت ہے کہ ایسے افراد کی حمایت، طرف داری اور سرپرستی کرنا کسی بھی معاشرے کیلئے ایک ناسور کی مانند ہوتا ہے۔

قدرت نے انسان کے جبلی تقاضوں میں برائی اور ظلم سے نفرت کا فطری جذبہ بھی رکھا ہے۔ اس کیلئے عدل و انصاف کی دستیابی بھی ہر معاشرے کی بنیادی ضروریات میں سے ہے۔ اس عمل میں وکلاء حضرات کا پیشہ ہی وہ کلیدی کردار ہے جو اس عدل و انصاف کی فراہمی، امن و امان اور عوام الناس کے جائز حقوق کے تحفظ میں معاون ہوتا ہے۔ چونکہ عوام کی اکثریت قانون سے کم علمی کی وجہ سے ظلم اور بے انصافی کی شکار ہوتی ہے اور یوں عدل و انصاف کا حصول بھی ان کیلئے مشکل ہو جاتا ہے اور وہ اپنے حق کو بیان بھی نہیں کر پاتے اس لئے وکالت کا پیشہ معاشرے کی اہم ضرورت ہے۔ باری تعالیٰ کے اسمائے حسنہ میں وکیل کا نام بھی شامل ہے۔ مختصر یہ کہ ہمارے وکلاء حضرات کو عدل و انصاف کو اساس بنا کر اس پیشے کی عظمت کو قائم رکھنا چاہیے اور ہر مدعی یا مدعا علیہ کا کیس لیتے وقت اچھی طرح معلوم کر لینا چاہیے کہ آیا ان کا موکل ظالم اور مجرم تو نہیں؟

سورۃ بقرہ کے ساتویں رکوع میں فرمان ہے۔ ''اور آپس میں ایک دوسرے کے مال کو ناحق طور پر مت کھاؤ اور ان کے (مقدمے کو) حکام کے ہاں اس غرض سے رجوع مت کرو کہ (اس کے ذریعے سے) لوگوں کے اموال کا حصہ بطریق گناہ یعنی ظلم کے کھا جاؤ اور تم کو اپنے جھوٹ اور ظلم کا علم بھی ہو''

مندرجہ بالا آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جرم کا علم ہو جانے کے بعد اس کی حمایت و وکالت اور اسے سزا سے بچانے کی کوشش حرام اور قرآن کی نافرمانی ہے۔ موجودہ تہذیب کی متعدد بڑی برائیوں میں ایک بڑی برائی جھوٹی وکالت بھی ہے جو قوم کے اخلاق کو بدرجہ غایت تباہ کرنے والی ہے۔ اس کا مقصد

اکثر ہوس زر ہوتا ہے چاہے کسی بچے یا بے گناہ کا خون ہو جائے۔اس لئے اسلام کے نظام عدالت میں ان پیشہ ور وکیلوں کا کہیں ذکر نہیں جو جھوٹ اور فریب پر مبنی وکالت کے ذریعے زیادہ سے زیادہ مال حاصل کرنے کیلئے کوشاں رہتے ہیں۔ اس لئے کہ اس سے جرائم کو فروغ ملتا ہے۔جب مجرم کو یہ معلوم ہو کہ اس کے سنگین سے سنگین جرم کیلئے بھی ایسا وکیل دستیاب ہو سکتا ہے جو اس کا جرم ثابت نہیں ہونے دے گا تو اس کے شوق جرم میں اضافہ ہو جاتا ہے۔اسی طرح دنیا میں جرائم کی افزائش ہوتی ہے جو عدل وانصاف کے خلاف ہے۔

ہمارے معاشرے کے نام نہاد شرفاء اور معاشرے کے کچھ سر کردہ لوگ جو بڑی بڑی جاگیروں ،سرمایہ اور صنعتوں وغیرہ کے مالک ہیں، مستقل طور پر وکلاء حضرات کی خدمات حاصل کئے رہتے ہیں اور مقصد ان کا یہ ہوتا ہے کہ انکے جرائم کی پردہ پوشی ہوتی رہے۔پھر قانونی پیچیدگیوں کے ذریعے مقدمات کو طویل کیا جاتا ہے۔الغرض معاشرے میں حصول انصاف کیلئے برسہا برس اور نسل در نسل تک کی طوالت سماعت کی وجہ سے انسان کی زندگی کا بیشتر حصہ ضائع ہو جاتا ہے۔وکلاء حضرات کا فرض بنتا ہے کہ وہ اللہ کی رضا اور عدل وانصاف کی خاطر ظالم کی بجائے مظلوم کا ساتھ دیں اور یوں ایک پر امن معاشرے کی تشکیل میں معاون ثابت ہوں۔

ہماری عدلیہ بھی جرائم کی روک تھام اور نظام انصاف کی سر بلندی کیلئے اسی طرح موثر اور فعال ذریعہ بن سکتی ہے۔اس کیلئے ضروری ہے کہ فوری انصاف یعنی کم سے کم وقت میں مقدمات کا فیصلہ کیا جائے اور اس پر وکلاء کو مجبور کرتے ہوئے ان کے قانونی حربوں کو خاطر میں نہ لایا جائے جو وہ کیس کو التوا میں ڈالنے کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ یہ وہ پہلو ہیں جن کیلئے ایک جج ہی موثر اور حقیقی کردار ادا کر سکتا ہے۔

ضمانت پر رہائی کا تصور بھی سراسر غیر اسلامی ہے اور قرآنی نظام عدل کی روح کے خلاف ہے کیونکہ اس کے نتائج وعواقب ہمیشہ غلط نکلتے ہیں۔جب ایک مجرم کو معاشرے میں آزادی سے گھومنے کی اجازت مل جاتی ہے تو اپنے خلاف مقدمے کو کمزور یا طویل کرنے کیلئے اسے مال ودولت اور اثر ورسوخ استعمال کرنے کا موقع مل جاتا ہے' وکیل اسے عدالت کو دھوکا دینے کے لئے قانونی داؤ پیچ اور جھوٹے بیانات کی مشق کرادیتے ہیں یا پھر وہ فرار ہو کر اشتہاری بن جاتا ہے۔ بعض اوقات تو ملک سے ہی فرار ہو جاتا ہے۔اس سے نہ صرف مقدمات کی طوالت مزید بڑھ جاتی ہے بلکہ انصاف کی راہ میں بھی مزید رکاوٹیں کھڑی ہو جاتی ہیں۔

حکم امتناعی بھی ایک غیر اسلامی حربہ ہے۔اس کے ضمن میں بھی جج صاحبان کو انتہائی گہرائی

میں غور وخوض کے بعد فیصلہ دینا ہوگا کیونکہ اس سے بھی حصول انصاف میں برسہا برس کی تاخیر اور رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے

عدالتی فیصلے کو محفوظ کرنا بھی اپنی جگہ روح اسلام کے خلاف ہے۔اس سے بھی مقدمات کو طوالت ملتی ہے جس سے عدل وانصاف ملنا محال ہو جاتا ہے۔

اسی طرح جب وہ فیصلہ کریں تو اللہ کے احکامات اور شریعت کو مد نظر رکھتے ہوئے فیصلہ کریں۔انصاف کے بنیادی تقاضوں کے ساتھ یہ حقیقت بھی پیش نگاہ رکھیں کہ وہ ایک مسلمان منصف ہیں، تاکہ کسی بھی ظلم کو تحفظ نہ مل سکے۔ اللہ نے سورۃ مائدہ میں انصاف کرنے والوں کیلئے پسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے۔ منصف کیلئے اللہ کی رضا کو مد نظر رکھنا اس کا فرض منصبی ہی نہیں، دینی تقاضا بھی ہے۔

ایک افسوس ناک بات یہ ہے کہ پاکستان میں بیک وقت تین قوانین رائج ہیں۔ تعزیرات پاکستان 'پی سی او کے قوانین اور چند حدود شریعہ ۔ یہ سب باتیں قانون کو اپنی مرضی کے تابع کرنے کی کریہہ سوچ کی آئینہ دار ہیں اور انہی سے رشوت اور بدعنوانیوں کے دروازے کھلتے ہیں جس سے عدل کا حصول مشکل ہو جاتا ہے۔

عدالتی نظام کے ضمن میں یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ اسلامی ریاست کے منصف یا قاضی کیلئے جو شرعی اہلیت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے مقرر کی گئی ہے اس پر عدلیہ کے ہر جج کو پورا اترنا چاہیے۔

عوام کو اسلامی سزاؤں کے بارے میں آگاہ کرنے کے لئے حکومت کو ٹی وی، ریڈیو اور پرنٹ میڈیا استعمال کرنے چاہئیں تاکہ لوگوں کو اس بارے میں مکمل آگاہی ہو۔ اگر حکومت سچے دل سے جرائم کا خاتمہ اور واقعی تاریخ میں نام پیدا کرنا چاہتی ہے تو اسے اس سمت میں فوری 'ٹھوس اور عملی اقدامات کرنے ہوں گے۔ معاشرتی افراتفری' جرائم کی زیادتی اور لاقانونیت کا اس وقت ایک ہی حل اور وقت کی ضرورت ہے کہ پاکستان میں سات آسمانوں سے اللہ کی بھیجی ہوئی شریعت محمدیہ ﷺ کا نفاذ ہو اور سر عام اسلامی سزاؤں کے نفاذ سے اس کا آغاز ہو تاکہ مجرموں کو سزا ملے اور لوگوں کی جان و مال، عزت و آبرو ،کاروبار کو تحفظ میسر آجائے اور وہ سکھ چین کی زندگی بسر کریں۔ عوام کو یہی تحفظ فراہم کرنا ہر حکومت کا فرضِ اولین ہوتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ جو حکومت اپنی عوام کو جان و مال کا تحفظ نہیں فراہم کرتی وہ ناکام ہے اور اس کو حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں۔

ان سزاؤں کے نفاذ کا طریقہ یہی ہے کہ ایک تاریخ متعین کر دی جائے اور اعلان کر دیا جائے کہ فلاں تاریخ کے بعد جو فرد بھی کسی جرم کا مرتکب ہوگا اس کو سزا حدود اسلامی کے مطابق اور سر عام دی

جائے گی اِنشاءاللہ تعالیٰ صرف اس اعلان سے ہی جرائم کی شرح یکلخت معدوم ہو جائے گی۔ اس نفاذ سے نہ صرف ہمارا مستقبل روشن و تابناک ہوگا بلکہ ہم آئندہ نسل کو بھی پرامن، خوشحال اور جرائم سے پاک وطن دے سکیں گے۔

دعا ہے کہ باری تعالیٰ تمام اسلامی ریاستوں کو ان پر عمل درآمد کی توفیق دے تاکہ غیر اسلامی ریاستیں بھی امن و امان اور سلامتی کی ان برکتوں کے مظاہرے کو دیکھ کر اپنے معاشرے میں انہیں رواج دیں۔

قتل کی سزا، دربار نبوی ﷺ کا فیصلہ

موطا امام مالک میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ایک ایسے شخص کو ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جس نے ایک ڈھال چوری کی تھی اور جس کی قیمت تین درہم تھی۔

وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ (الرعد ۴۱)

اور اللہ حکومت کر رہا ہے، اسکے فیصلوں پر کوئی نظرثانی کرنے والا نہیں ہے

المسلمین کے دو اصول

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ

نظام شریعتِ محمدیہ

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ
فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (القرآن)

پھر ہم نے تجھے دین کی ایک شریعت پر کر دیا، تو اُس
شریعت (راستے) کا تابع رہ اور نادانوں کی خواہشات پر نہ چل"

فرمانِ رسول

تم اسوقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک تمہارا ہر عمل
میری لائی ہوئی شریعت کے مطابق نہیں ہو جاتا (اربعین نووی)